© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحق انفع

قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم کی شخصیت اصلاح وارشاد اور علم ومعرفت کا محور ومرکز تھی

مولانا حبیب الرحمٰن، مدیر ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے۔ "ان اللہ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء" (متفق علیہ کمافی المشکوٰۃ) اللہ تعالیٰ علم کو واپس نہیں لے گا کہ لوگوں کے ہاتھوں سے قبض کرے بلکہ علماء کو وفات دے کر علم کو واپس لے لے گا۔

اس حدیث کا ظہور آج کل جس کثرت وشدت سے ہو رہا ہے اس کی مثال اگلے زمانے میں نہیں ملتی۔ علمائے حق جس تیزی کے ساتھ اٹھتے جارہے ہیں اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ چل چلاؤ کا یہ سلسلہ اسی رفتار کے ساتھ جاری رہا تو علمی مجلسیں بالکل سونی ہو جائیں گی۔ دور کیوں جایئے اپنے پڑوسی ملک پاکستان پر ہی ایک نظر ڈالیئے ابھی ماضی قریب میں وہاں کی علمی محفلیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا سید محمد یوسف بنوری محدث، مولانا شمس الحق افغانی مولانا عبیداللہ انور، مولانا سید حامد میاں وغیرہ جیسے اساطین علم وماہرینِ فن کی حسنات وبرکات سے پررونق تھیں۔ مگر دیکھتے دیکھتے یہ سارے بزرگ اللہ کو پیارے ہوگئے اور المیہ یہ ہے کہ ان کی خالی جگہ اب تک پُر نہیں ہو سکیں۔ اور نہ اس کی کوئی امید ہی ہے۔

اسی قافلۂ فضل وکمال کے ایک فرد فرید شیخ الحدیث حضرت مولٰنا عبدالحق صاحب بانی ومہتمم دارالعلوم اکوڑہ خٹک بھی تھے۔ جن کے دم قدم سے وہاں کی مجالسِ علمیہ کا وقار بڑی حد تک قائم تھا اور ان پیش رو بزرگوں کے بعد طالبانِ علم کے لئے ان کا وجود وجہ سکون وباعث تسلی تھا۔ مگر افسوس کہ اکابر واسلاف کی یہ آخری نشانی بھی ۷ ستمبر کو ہماری نگاہوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگئی۔

مولانا مرحوم علم وفضل، زہد وتقویٰ، اخلاص واستقامت جرأت وشجاعت اور تواضع وانکسار کے مجسم نمونہ تھے۔ ان کی ذات میں علم وعمل کا اس طرح امتزاج تھا کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس قحط الرجال کے دور میں مرحوم کی ذات اصلاح وارشاد اور علم ومعرفت کا مرکز ومحور تھی۔

۷ ستمبر ۱۳۲۷ھ مطابق جنوری ۱۹۱۰ء کو اپنے آبائی وطن اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ ہی میں حاصل کی۔ پھر آگے کی تعلیم کے لیے ملتان پہنچے اور وہاں مولانا عنایت اللہ اور مولانا عبدالجلیل وغیرہ سے ملاحسن تک تعلیم مکمل کر لینے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کے لئے رخت سفر باندھا۔ اور میرٹھ وامروہہ کے مدارس میں تحصیل علم کے بعد ۱۳۴۸ھ میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے اور پانچ سال یہاں رہ کر ۱۳۵۲ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے علاوہ آپ کے اساتذہ دارالعلوم میں حضرت مولانا رسول خاں ہزاروی اور حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں۔ ۱۳۶۲ھ میں مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند ہی میں استاذ مقرر ہوگئے جس کا سلسلہ ۱۳۶۶ھ تک قائم رہا۔ چوں کہ اسی سال تقسیم ملک کا حادثہ پیش آیا۔ اس لئے شعبان کی رخصت کے بعد گھر سے دارالعلوم نہ جاسکے اور مجبوراً یہاں کی تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسی زمانہ میں پشاور ہی کے ایک اور عالم مولانا عبدالحق نافع گل بھی دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اسی لیے دونوں حضرات کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے مولانا مرحوم کو انفع کہا جاتا تھا۔ مولانا کا درس نہایت کامیاب تھا۔ اور تین چار سال کی مختصر سی مدت میں طلبہ آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف ومعتقد ہوگئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے رسمی تعلق ختم ہو جانے کے بعد دارالعلوم ہی کے طرز پر اپنے آبائی وطن اکوڑہ خٹک میں ایک درس گاہ قائم کی جو مولانا مرحوم کے جہد وعمل اور ایثار واخلاص کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں علوم دینیہ کا ایک عظیم مرکز بن گیا اور اس وقت سے ہر سال سینکڑوں تشنگانِ علوم دینیہ اس کے چشمہ صافی سے سیراب ہوکر فارغ التحصیل ہوکر تبلیغ دین اور اشاعتِ علم میں مصروف ہیں۔

مولٰینا مرحوم کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنے تلامذہ کو ذوق جہاد اور دین پر مر مٹنے کے جذبہ سے سرشار کر دیتے تھے چنانچہ جہاد افغانستان میں یہاں کے فضلاء وطلباء نے جس طرح سے فداکارانہ حصہ لیا ہے۔ اس کی نظیر پاکستان کے دیگر مدارس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طلبہ میں نہیں پائی جاتی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ایک کارنامہ نہیں ہے بلکہ علوم دین کی اشاعت و تبلیغ کے ساتھ انھوں نے دین کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا بھی مقابلہ کیا اور ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا حتیٰ کہ اسمبلی تک پہنچے اور ایوانِ حکومت میں بھی حق کی آواز بلند کی۔ پاکستان کے خود سر اور دین بیزار حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کر کے افضل الجہاد کا فریضہ ادا کیا۔

۱۹۷۴ء میں جب فتنہ قادیانیت کے خلاف تحریکِ ختم نبوت چلی تو حضرت مولینا سید محمد یوسف بنوری اور حضرت مولینا مفتی محمود رحمہما اللہ کے شانہ بشانہ مولانا مرحوم نے بھی کام کیا۔

مولینا مرحوم کو دارالعلوم اکابرِ دارالعلوم بالخصوص حضرت شیخ الاسلام رحؒ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی۔ آپ کی مجلسیں دارالعلوم اور اس کے اکابر کے تذکرے سے معمور رہتی تھیں۔ اور اپنے استاذِ حدیث اور پیر و مرشد حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے۔

مولینا مرحوم اگرچہ اصالتاً ایک مدرس تھے۔ تصنیف و تالیف کے لیے نہ انہیں فرصت تھی اور نہ ہی طبیعت کا اس جانب رجحان تھا۔ پھر بھی تبلیغ دین کے لیے بعض رسائل اور کتابیں تحریر کیں۔ علاوہ ازیں اسمبلی میں آپ نے جو تقریریں کیں انہیں ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب نے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے اس طرح سے آپ کے علمی افادات کتابی شکل میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ جن میں تقریرِ ترمذی مرتبہ مولانا عبدالقیوم حقانی، دعواتِ حق حصہ اول و دوم مقامِ صحابہ، مسئلہ خلافت و سیادت، ناموسِ رسولؐ نہایت اہم ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے گلستانِ علم کو سدا بہار رکھے۔ آمین ۔

ویرحم اللہ عبداً قال امینا

بقیہ ص ۹۶۹ سے ۔ ہمہ گیر تعزیتی مکتوبات

جب سے سنا یقین نہ آیا آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور دل ڈوب گیا کیونکہ ایک عظیم محدث، ایک جلیل القدر عالم اور بلند پایہ سکالر اور عالم اسلامیہ کا روحانی اور شفیق باپ اور علم و تقویٰ کا وہ روشن چراغ بجھ گیا جس کے انوار سے ایک دنیا منور ہو گئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

دنیائے اسلام میں مولانا صاحب کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں پھر بھی میں یہ کہوں گی کہ ایسی شخصیتیں اور بزرگ ہستیاں دنیا میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔

دنیا میں مجھے ان میں فرشتوں کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور ان کی تقریروں میں جہاد کا نور نظر آتا تھا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا یہ شعر کہ ؎

میں نے ابھی تک جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

میرے لیے خاص ہے کیونکہ اصل میں، میں نے اُن کو ابھی تک نہیں دیکھا

وہ جو انسانیت کا پیکر تھا، وہ جو اسلام اور سنت رسولؐ خدا کا چلتا پھرتا نمونہ تھا وہ جو مینارۂ نور اور زمین پر خدا کے بندے کے روپ میں بھیجا ہوا فرشتہ تھا جس کے دیدار میں ثواب ہوتا تھا جس کی ملاقات سے ایمان میں تازگی آجاتی تھی، وہ جو محتاجوں اور مسکینوں کا غم خوار تھا، وہ جو بے سہاروں کا سہارا تھا، وہ جو افغان پالیسی کا سب سے بڑا جرنیل تھا۔

وہ ذات جو مہر وفا اور لوگوں کے لیے سکون قلب و اطمینان تھا اور وہ جس سے انسان اپنے (WAY OF LIFE) دین کے صحیح راستے کو اپناتا تھا وہ جو غریبوں کے لیے قوت بازو تھا اور وہ جو دین کا روشن چراغ تھا اور غریبوں کے لیے بے نیام تلوار تھا اور اندھیرے میں بھٹکنے والوں کے لیے چاندنی رات تھا جو استقلال اور ثابت قدمی کا پہاڑ تھا اور جو (GREAT POLITICLES LEADER) عظیم سیاسی لیڈر تھا اُس کی ملاقات کے شرف سے میں ابھی تک محروم رہی۔ والسلام

بی بی توحید سیکنڈ ایئر گرلز کالج چارسدہ

آپ حضرات نے نفاذ شریعت کے لیے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور مجھے یہ عزت بخشی واقعہ یہ ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تاہم آپ میرے بزرگ ہیں اور میں بزرگوں کا حکم بجا لایا ہوں اور اسی کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں اب اس کے بعد آپ کا اور تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر نفاذ شریعت کی مہم تیز کر دیں، اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اسلام کو ترجیح دیں اسلام کی دعوت دیں اسلام کا ذکر کریں جیسے سلمان فارسی سے کسی نے کہا آپکا کیا نام ہے؟ فرمایا میرا نام اسلام ہے کہا باپ کا نام کیا ہے فرمایا اسلام، کہا ملک کا نام کیا ہے فرمایا اسلام۔

(ارشاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائدِ شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہٗ

زُہد اور تقویٰ کے پہاڑ

حضرت قائد شریعتؒ عظیم مجاہد، مفکر، محقق، مدبر، مصنف، عمیق الفکر، دقیق النظر، روحانی پیشوا اور متبحر عالم تھے

مدیر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

آپ کے انتقالِ پُر ملال کی خبر سن کر مسلمانوں اور علمی حلقوں میں غم و اُداسی کی لہر دوڑ گئی۔ اگرچہ مولانا عبدالحق صاحب کا انتقال بھی ایک ذی روح انسان کا وصال تھا جو امرِ الٰہی کے تحت انتہا تک پہنچنا ضروری تھا اور یہ ارشادِ خداوندی ہے:

کل نفس ذائقۃ الموت

ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

لیکن بعض اموات صرف اپنی ذات تک محدود ہوتی ہیں اور بعض لوگ اہلِ خانہ کو غمزدہ چھوڑ جاتے ہیں لیکن بعض حضرات وہ ستودہ صفات کے مالک ہوتے ہیں جن کی موت پوری کائنات کی موت ہوتی ہے۔ یوں ارشاد ہوتا ہے:

موت العالِم موت العالَم

عالِم کی موت جہاں کی موت ہے۔

انہی بزرگ ہستیوں میں سے ایک مولانا عبدالحق صاحب مرحوم بھی ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے کروڑوں مسلمانوں کو سوگوار چھوڑا ہے لیکن دِلی صدموں کا پہنچنا یہ فطرتِ انسانی ہے ورنہ قضائے الٰہی بلا امتیاز ہر ایک کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔ ایک ادنیٰ آدمی سے لے کر ایک عظیم پیغمبر تک سب نے اسی لوحِ فنا سے گذرنا ہے، گذر چکے ہیں اور گذر رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الموت الذی تفرون منه فانه ملٰقیکم

جس موت سے تم راہ فرار اختیار کرتے ہو وہ تمہیں ضرور پالے گی۔

اور ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ: تم اگر مضبوط قلعوں میں بھی ہوگے تو موت تمہیں آچک لے گی۔

حکیم جالینوس کے متعلق کتابوں میں ملتا ہے کہ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میرے وصال کے بعد ان دو گولیوں کو بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کریں۔ بیٹوں نے باپ کے انتقال کے بعد وصیت کے مطابق ایک گولی کو چلتے ہوئے پانی میں پانی میں ڈالا وہ منجمد ہوگیا۔ دوسری گولی کو لوہے پر ڈالا وہ پگھل گیا اور بہنے لگا۔ حکیم جالینوس لکھتا ہے کہ مجھے وہ حکمت و دانائی دی گئی ہے اگر میں چاہوں تو پانی کو روک دوں اور اگر چاہوں تو لوہے کو پگھلا کر پانی کر دوں لیکن موت ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے نہ کوئی بچ سکا ہے اور نہ بچ سکتا ہے، اس لیے موت ایک وہ بین الاقوامی حقیقت ہے کہ جس کے وقوع پر کسی کو انکار نہیں۔ البتہ بعض مرنے والوں کے فراق میں فطری تکلیف تو ہوتی ہی ہے لیکن وہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ آج اگرچہ مولانا عبدالحق صاحب صرف مولانا سمیع الحق صاحب اور اہلِ خانہ کو ہی داغِ مفارقت نہیں دے گئے بلکہ

© rasailojaraid.com